JAHAN E TAHQEEQ
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

ظہور نظر۔۔۔ایک عالم گیر مزاحمتی آواز

☆ڈاکٹر حمیرا اکرم

☆☆ڈاکٹر محمد عبیداللہ

☆☆☆سعدیہ نیاز

Abstract

Resistance is very necessary for every society to restrain injustice, cruelty and oppression. Resistant Poetry directly engages with social, political, or cultural issues, often advocating for change or challenging the status quo. It's an effective tool for giving voice to marginalized and oppressed people within the society. Resistant poetry also serves the purpose of preserving cultural memory, fosters empathy and inspires activism for movement of justice. As a result, more inclusive and equitable society is created. Zahoor Nazar is one of the prominent resistant poets of Urdu Literature who fought with their poetry for the oppressed, unprivileged and marginalized class of not only his society but also raised voice for the rights of other nations of the world. So Zahoor Nazar can be called as international resistant poet. Here is an appraisal of Zahoor Nazar's poetry as international voice of resistance against injustice, oppression and inequality.

کلیدی الفاظ: مزاحمت (Resistance)، آمریت (Dictatorship)، جبر (Oppression)، غاصب (Usurper) عالمگیر مزاحمت (International Resistance)، خود کلامی (Soliloquy)، استحصال (Exploitation) نوآبادیات (Colonialism)، خود مختاری (Self-Sovereignty)

انسانی زندگی اور مزاحمت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔مزاحمت کی عمر اتنی ہی ہے کہ جتنی کہ ظلم و جبر کی۔ادب انسانی زندگی ہی کی کتھا کا پر اثر اظہاریہ ہوتا ہے ۔رشید امجد نے کہا تھا:

> ''ادب بنیادی طور پر ہوتا ہی مزاحمتی ہے کہ ادیب موجودہ صورتِ حال،اُس کے جبر اور استحصال کے خلاف آواز بلند کرتا ہے ۔۔۔شمالی ہند میں شاعری کا آغاز ہی مزاحمتی رویے سے ہوا۔جعفر زٹلی پہلا مزاحمتی شاعر ہے جس نے اورنگ زیب کے نالائق بیٹوں کے خلاف نظمیں لکھیں [1]۔''

انسانی شعور اور مزاج نے ہمیشہ انسان کو ظلم و جبر کے خلاف مزاحمت پر ابھارا ہے۔انسان آزاد پیدا ہوا ہے؛اس تصور نے ہمیشہ اسے ظلم کے خلاف بر سر پیکار رہنے اور جبر واستبداد کے خلاف آواز بلند کرنے کا درس دیا ہے۔ادب جب تنقیدِ حیات ہے تو ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی ادیب،انسانوں پر ظلم برداشت کر کے محض گل و گلزار اور ہجر و فراق ہی کے قصے لکھتا رہے۔بل کہ اگر یہ کہا جائے کہ ادب کی ولادت،مزاحمت اور احتجاج کے بطن سے ہوتی ہے تو بے جا نہ ہو گا۔ادیب کا دلِ حسّاس،اسے معاشرے میں ناہمواریوں،سیاسی جبر،معاشی ظلم اور استحصال کے خلاف ہمیشہ نبرد آزما رکھتا ہے۔یہ محض ترقی پسند تحریک کے آدرش کا قصہ نہیں،دنیا کے ہر ادب میں احتجاج اور مزاحمت کی آواز صدیوں سے بلند ہوتی آئی ہے۔متاعِ لوح و قلم چھن جانے کے بعد بھی انگلیاں خون میں ڈبو کر بغاوت کی تحریر لکھنا ادب کا فریضۂ اوّلین رہا ہے ۔بے خوف مزاحمتی آوازوں کے حوالے سے حضرت علیؑ کرم اللہ وجہٗ سے منسوب یہ قول نقل کرنا بے جا نہ ہو گا جو تمام مزاحمتی ادیبوں کے لیے مشعلِ راہ اور منشور کا درجہ رکھتا ہے:

> ''میں نے اُس وقت اپنے فرائض انجام دیے جب دوسرے اس راہ میں قدم اٹھانے کی جرأت نہیں رکھتے تھے اور اُس وقت سر اٹھا کر سامنے آیا جب دوسرے گوشوں میں چھپے ہوئے تھے۔اُس وقت زبان کھولی جب سب گنگ نظر آئے، گو میری آواز سب سے دھیمی تھی مگر سبقت و پیش قدمی میں سب سے آگے [2]''

لیکن دوسری طرف اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اگر ادب میں احتجاج اور مزاحمت کی لے تیز ہو جائے گی تو یہ ادب نعرہ بن جائے گا اور گوشِ ادب پر گراں گزرے گا۔ایسا ادب وقتی طور پر تو ہو سکتا ہے کہ عوامی مزاجوں کو بھا جائے اور جلسوں جلوسوں میں جذباتی اشتعال انگیزی کے کام آنے لگے لیکن ایسے ادب

میں تادیر زندہ رہنے کی صلاحیت مفقود رہتی ہے۔ ترقی پسند تحریک کے بیش تر شعرا کے ساتھ یہی ہوا تھا کہ مزاحمت کی تیز لو نے جذباتی ارتعاش تو پیدا کیا لیکن دلوں میں تا دیر گھر کرنے کی صلاحیت سے محروم رہی۔ صرف ان شعرا کی شاعری کو دوام نصیب ہو سکا جو اس راز کو پا گئے تھے کہ مزاحمت اور احتجاج کے ساتھ ساتھ شعر کا لب و لہجہ ایسا ہونا چاہیے کہ یہ محض نعرہ بازی کی حیثیت نہ اختیار کر جائے۔ فیض احمد فیض اس کی نمایاں مثال ہیں۔

ظہور نظر کی شاعری میں بھی ہمیں ایک طرف جبر سے بغاوت، استحصال کی مزاحمت، ظلم کے آگے سر نہ جھکانے کا آدرش ملتا ہے تو دوسری طرف ان کا لب و لہجہ شعر کے آہنگ اور دھیمی لو سے متجاوز نہیں ہونے پایا۔ ان کی شاعری میں مزاحمت اس طرح گندھی ہوئی ہے کہ مزاحمت کو شاعری سے اور شاعری کو مزاحمت سے جدا کرنا مشکل ہی نہیں، ناممکن نظر آتا ہے۔ ظہور نظر کی خاص بات یہ ہے کہ احتجاج کی آواز، شاعر کی آواز سے اونچی نہیں ہو رہی۔ ان کے ہاں مزاحمت کی لے مترنم ہونے کی بنا پر کانوں پہ گراں بھی نہیں گزرتی اور ان کی آواز کا توازن اسے نعرہ بازی سے آگے بڑھا کر ان کی شاعری کو بقائے دوام بخشتا ہے۔

> ''ظہور نظر کی نظموں میں بھی پاکستان کے مختلف سیاسی ادوار کے ارتعاشات دکھائی دیتے ہیں۔ انھوں نے ایوب خان، بھٹو اور ضیاء الحق کے مارشل لا کے دور میں اپنے اجتماعی ردِ عمل کا نہایت مؤثر اور دل نشین انداز میں اظہار کیا۔ ان کی نظمیں مارشل لا ادوار کی جبریت کے خلاف صدائے احتجاج ہی ہے''[3]

کہا جاتا ہے کہ مزاحمت کی انتہائی شکل خود کلامی ہوتی ہے جو انسان کی بے بسی اور کچھ نہ کر سکنے کے ہیجان سے بر آمد ہوتی ہے۔ ظہور نظر کی ایک طویل نظم ''خود کلامی'' کے عنوان سے ہے۔ اِس نظم سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظہور نظر غمِ ذات سے کی نسبت غمِ جہاں کے تفکر میں زیادہ گم ہیں۔

اے حیاتِ دل آویز!
آج دیکھیے، پہلے شب ڈھلے کہ نیند آئے[4]

دنیا میں جہاں جہاں جبر و استحصال ہوگا وہاں وہاں مزاحمت ہوگی۔ ظہور نظر کی نگاہ صرف اپنے معاشرے یا اپنے ملک میں جاری جبر و تشدد، ناانصافی اور طبقاتی ناہمواری پر نہیں بلکہ وہ دنیا کے ہر خطے کے مظلوموں کے لیے مزاحمت کا بیانیہ تشکیل دیتا نظر آتا ہے اور یہی وصف ظہور نظر کو دیگر شعرا سے ممتاز و ممیّز کرتا ہے۔ اِس حوالے سے اُن کی ایک طویل نظم ''اے غمِ صبحِ طرب'' قابلِ غور ہے۔ نظم کے پہلے حصے میں ماحول کی تاریکی، انسانوں پر چھائے افلاس، اُن کی چیخ و پکار، غم و اندوہ میں زاری کناں مظلوموں کی حالتِ زار بیان کرتے ہیں تو اُن کی نگاہ دنیا کے دیگر خطوں میں جاری ظلم و تشدد سے بھی غافل نہیں رہتی:

ایک ہی غم ہو تو میں کچھ نہ کہوں
میرے ہی گھر میں اندھیرا ہو تو میں چپ بھی رہوں
جس طرف دیکھو اندھیرا ہی اندھیرا ہے یہاں
بجھ گئے کتنے ہی دل، کتنے ہی دیپ
چھپ گیا نور میں نہلایا ہوا ماہِ تمام
سو گئی، ڈوب گئی کاہکشاں

قید ہو میرا نصیبہ ہی تو میں کچھ نہ کہوں
میرے ہی پاؤں میں بیڑی ہو تو میں چپ بھی رہوں
یاں تو زنجیریں ہی زنجیریں ہیں
حدِّ اسپین سے یونان تلک
خطۂ چین سے جاپان تلک
وادیٔ نیل سے ایران تلک
پابہ زنجیر ہیں سب

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

پابہ زنجیر ہے تیونس بھی مراکش بھی غلام

پابہ زنجیر ہے الجیریا، قیدی وتنام

کوریا ہو۔۔۔ کہ ملایا ہو

کہ برما ہو کہ شام۔۔۔ ہر طرف حبسِ دوام[5]

ظہور نظر کی مزاحمتی شاعری اور اُس کے پسِ منظر و محرکات کے حوالے سے ڈاکٹر عبدالخالق تنویر لکھتے ہیں:

> ''۔۔۔انھوں (ظہور نظر) نے عالمی اور ملکی سطح پر ہونے والے ظلم و جبر کے خلاف بڑے تسلسل اور ثابت قدمی کے ساتھ نظمیں اور غزلیں لکھیں۔ دوسری عالمی جنگ کے مابعد اثرات، نوآبادیاتی نظام کے مظالم، محکوم اقوام کی جدوجہدِ آزادی اور ملکی سطح پر آمریت کے خلاف دانش ور طبقہ کے جذبات کی موثر اور خوب صورت ترجمانی اُن کی شاعری کا امتیازی پہلو ہے۔ ترقی پسند تحریک کے نتیجہ میں ابھرتی ہوئی خواہشوں، ایوب خان کے خلاف جمہوری جدوجہد، مشرقی پاکستان کی علیحدگی، ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں بنتی ٹوٹتی آرزوؤں اور ضیادور میں ہونے والے جور واستبداد کے واضح عکس اُن کی شاعری میں موجود ہیں۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہیں ہو گا کہ اُن کی شاعری میں ہماری سیاسی و سماجی زندگی کے معمولی سے معمولی ارتعاش کو بھی بڑی آسانی کے ساتھ دیکھا اور محسوس کیا جا سکتا ہے۔۔۔ایسی مؤثر مزاحمتی شاعری کے باوجود مزاحمتی شعرا کی طویل فہرست میں ظہور نظر کا نام کہیں دکھائی نہیں دیتا[6]''

ذیل کے چند اشعار ان کے لب و لہجے کے توازن کے عکاس ہیں:

پت جھڑ میں بھی ، موسمِ گل میں بھی ، رونے پر بھی ، ہنسنے پر بھی
ہم لوگ ہی کیوں زنجیر ہوئے ، ہم لوگ ہی ملزم کیوں ٹھہرے[7]

ستم تو یہ ہے ، نئے ستم گر بھی ، تہمتیں لائے ہیں پرانی
وہی ہماری صفائیاں ہیں ، وہی ہماری سزائیں ہیں پھر[8]

گھروں کے اندر گھٹن پڑی ہے ، گھروں کے باہر سپہ پڑی ہے
یہ کیا تماشا ہے ، کیا غضب ہے ، یہ کیا قیامت ہے ، کیا گھڑی ہے
درِ قفس توڑ کر لیا جائزہ سفر کا ، تو ہم نے دیکھا
نہنگ ہر موڑ پر کھڑا ہے ، صلیب ہر چوک میں گڑی ہے[9]

ہتھیلیوں پہ لیے اپنے سر گئے ہیں لوگ
سفر پہ اب کے برنگِ دگر گئے ہیں لوگ
ترے ستم کا گلہ یوں بھی کر گئے ہیں لوگ
کہ اور کچھ نہ چلا بس تو مر گئے ہیں لوگ
اب اُن کے لوٹ نہ سکنے کا غم تجھے کیوں ہو
کہ سوئے دار ترے حکم پر گئے ہیں لوگ
کہیں پہ کچھ تو ہوا ہے کہ آج زنداں میں

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

گئے ہیں اور بہت بے خطر گئے ہیں لوگ[10]

ظہور نظر کے اسی توازن کی مثال ان کی نظموں میں بھی نظر آتی ہے؛ محض ایک نظم ''اصلاحات'' سے اس رنگ کی گواہی دیکھیں:

دل شب کی کسی شے کا پرستار نہیں ہے
مہتاب سے روشن ہو کہ تاروں سے بھری ہو
شب کیسی بھی ہو، شب سے ہمیں پیار نہیں ہے
تسلیم، کہ ٹوٹا ہے ستونِ درِ ظلمت
تسلیم، کہ صدیوں کا اندھیرا ہوا زخمی
دھرتی کی رگوں سے جو لہو چوس رہا تھا
وہ سانپ، وہ اژدر، وہ سپیرا ہوا زخمی
تسلیم، کہ بے زور ہوئی ظلم کی آندھی
تسلیم، کہ کچھ شمعوں کی لے تیز ہوئی ہے
وہ شب کہ دھواں دھار تھی تاریکیٔ غم سے
امید کی کرنوں سے دل آویز ہوئی ہے
کہ لیجیے کہ اس موجِ تجلی کے جلو میں
جو کچھ بھی نگاہوں کا تقاضا ہے، وہ سب ہے
اے دیدہ ورو! پھر بھی یہ جھٹلاؤ گے کیسے؟
شب کتنی ہی زرتاب ہو، پُر نور ہو، شب ہے!
دل شب کی کسی شے کا پرستار نہیں ہے
مہتاب سے روشن ہو کہ تاروں سے بھری ہو
شب کسی بھی ہو، شب سے ہمیں پیار نہیں ہے[11]

یحیٰ خان کے مارشل لا کے تناظر میں لکھی گئی یہ نظم ''نئی رُت پرانا غم'' ملاحظہ کریں:

مقتلِ شب کی سیہ دہلیز پر
مر چکی ہے خوں میں نہلائی ہوئی معصوم شام
دم بہ خود شہرِ افق کے کوچہ و بازار میں
سنگ دل ظالم اندھیرا، وقت کا حبشی غلام
کر رہا ہے نشرِ حکمِ قتلِ عام[12]

ظہور نظر کی نظمیں "میں ترا کون ہوں" "طوفان کے بعد" "انقلاب" "نئی گلی" "شب خون کے بعد" اور "ایک عید" تقسیم کے بعد کی تکلیف دہ صورتِ حال کی عکاسی کرتی ہیں۔

ظہور نظر کی مزاحمتی شاعری جغرافیائی حدود و قیود سے بھی آزاد ہے۔ اُن کا حساس دل اپنے ہم وطنوں کے ساتھ ساتھ دنیا کے کسی بھی خطے میں ہونے والی ناانصافی، ظلم و بربریت اور عدم مساوات پر تڑپ اٹھتا ہے۔ اُنھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے اُس وقت کے سب سے بڑے استحصالی طبقوں یعنی سرمایہ دار، جاگیر دار اور صنعت کار کو چیلنج

کیاہے۔ یہ وہ طبقات ہیں جو معاشرے میں معاشی عدم مساوات اور دولت کی نامساوی تقسیم کے ذمہ دار ہیں۔اِس حوالے سے ظہور نظر کی نظمیں "انقلابِ عراق"" جاگتے جزیرے"" جنگ الجزائر"" انقلاب چین" اور "ایک بات" نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔ یہاں ''اے غمِ صبحِ طرب'' کے چند اشعار میں مزاحمتی بیانیہ قابل غور ہے:

ایک ہی غم ہو تو میں کچھ نہ کہوں
میرے ہی پاؤں میں بیڑی ہو تو میں کچھ نہ کہوں
یاں توزنجیریں ہی زنجیریں ہیں
حدِاسپین سے یونان تلک
سرحدِ چین سے جاپان تلک
وادئ نیل سے ایران تلک
پابہ زنجیر ہے مصر
پابہ زنجیر ہے تیونس بھی، مراکش بھی غلام
پابہ زنجیر ہیں حبشہ کے جزائر کے عوام
کوریا ہو کہ ملایا ہو کہ برما ہو کہ شام
پابہ زنجیر ہیں سب
پابہ زنجیر ہے آدھی سے زیادہ دنیا
سخت دلگیر ہے آدھی سے زیادہ دنیا
بھوک اور غم کے قفس میں ہیں کروڑوں انساں
چند انسانوں کے بس میں ہیں کروڑوں انساں[13]

دنیا کی اِس تکلیف دہ تصویر کشی کے بعد ظہور نظر مزاحمتی بیانیہ تشکیل دیتے ہیں۔ انھیں مظلوموں کی نجات اُن کے آپسی اتحاد، جہدِ مسلسل، امید اور عمل پیہم میں نظر آتی ہے۔

میں کہ ہوں شعلہ و شبنم کی تڑپ
میں کہ ہوں جہد کی رگ رگ میں تڑپتی ہوئی لے
میں کہ ہوں غم سے سلگتے ہوئے دل کا سنگیت
میں کہ ہوں جاگتے انسانون کے دکھ درد کا میت
اے غمِ صبحِ طرب!
کیسے چپ ہو کے گزاروں گا یہ شب!؟
کس طرح سو کے گزاروں گا یہ شب[14]

''انقلابِ چین'' میں گراں خواب چینیوں کے بیدار ہونے، سنبھلنے، مغرب کے تسلط سے فکری، صنعتی، معاشی اور ثقافتی آزادی کی کہانی بہت عمدگی سے بیان کی ہے۔

اک شگاف اور بڑا ایک زمیں اور ہلی
ایک کلی اور کھلی چیر کر ظلمتِ غم، ظلمتِ شب
توڑ کر نشہ افیون کی زنجیرِ گراں
مستقل قحط کی آفات سے آزاد ہوئے

JAHAN E TAHQEEQ
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

خطۂ چین کے محبوس مقید انساں

سینکڑوں سالوں کے روندے ہوئے ٹھکرائے ہوئے

زرد رولوگ بنے سرخیٔ دوراں کے نقیب

وقت کے سب سے نئے موڑ کی معراج بنی

دہر کی سب سے کہن، سب پرانی تہذیب

ارجِ مشرق پہ نہ اب گاڑ سکے گا کوئی

مغربی ملکوں کے سرمایہ پرستوں کی صلیب

سو گئے موت کے آغوش میں مشرق کے رقیب

جی اٹھا، جاگ اٹھا، غربتِ مشرق کا نصیب

لاکھ جھٹلاؤ کوئی   لاکھ نہ مانے کوئی

یہ حقیقت ہے کہ تاریخ نے رخ بدلا ہے

بے اماں گردشِ ایّام کے اک ریلے نے

ایشیا، چین کے آغوش میں لا پھینکا ہے [15]

ظہور نظر کی ایک اور نظم ''طوفانِ نور'' کے عنوان سے ہے جس میں نہر سوئیز کے تنازعے کی وجہ سے مصر پر اسرائیل اور امریکہ کے حملے کے مصری حکومت کی مزاحمت اور خوں ریز جنگ کا ذکر ہے۔1956ء میں ہونے والی یہ جنگ جمال عبدالناصر کے نہر سوئیز کو قومیانے کے اقدام کے بعد شروع ہوئی۔اسرائیل نے امریکہ کی مدد اور بہترین جنگی حکمتِ عملی سے تین عرب ملکوں کو شکست سے دوچار کر دیا۔ یہ شکست جس کے نتیجے میں یروشلم عربوں کے تسلط سے نکل گیا، تمام عرب دنیا کے ہزیمت کا باعث تھی۔اِس نظم میں بین الاقوامی مزاحمتی بیانیہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ عالم گیر مسلم امہ کا نظریہ پیش کرتی جس میں سارے مسلمان خواہ وہ کسی بھی خطے سے تعلق رکھتے ہوں، ایک ملت کے ارکان ہیں۔اِس نظم میں مصر کو امتِ مسلمہ کے مشترکہ رہنما کے طور پر دکھایا گیا جو پوری دنیا کے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے تیار رہتا ہے۔ نظم کے ابتدائی اور اختتامی اشعار بہت پر اثر ہیں:

اے مصر اے لہو میں نہائی ہوئی زمیں
روشن ہوا ہے تیری شجاعت کے نور سے
ہر خطۂ جہاں کہ جہاں روشنی نہیں

کوئی بھی ہے، کہیں بھی ہے، جو بھی ہے غلام
لرزا ہے سن کے تیری شعاعِ جنوں کا ذکر
رخشندہ باد جذبہ و جوش و جنوں کی صبح

سب کے لیے لہو میں نہائے ترے عوام
پھیلا ہوا جہاں پہ جو ہے تیرگی کا دام
پایندہ باد نور کے طوفانِ تیز گام [16]

مصر کے ساتھ ظہور نظر کی خصوصی عقیدت ہے۔ وہ مصر کو امتِ مسلمہ کے سرخیل اور رہنما کے طور پر دیکھتے ہیں جس نے بیک وقت اسرائیل امریکہ، اسرائیل اور فرانس جیسی بڑی فوجی طاقتوں کو للکارا تھا۔اپنی معاشی خود مختاری اور آزاد خارجہ پالیسی کے مصری لیڈر جمال عبدالناصر اُن دِنوں پوری عرب دنیا تو کیا ساری مسلم امہ کے لیڈر بنے ہوئے تھے۔ ظہور نظر اِس فوجی جرنیل کے مزاحمتی کردار کو خوب سراہتے ہیں۔اِسی تناظر میں اُنکی نظم ''جھوم اے وادیٔ نیل'' بہت اہمیت کی حامل ہے:

ایک شگاف اور پڑا   ایک زمیں اور ہلی

ایک کلی اور کھلی   ایک زنجیر کے کٹنے کی صدا اور آئی

ایک فرعون کے مرنے کی خبر اور ملی
چیر کر ظلمتِ غم، ظلمتِ شب
توڑ کر اجنبی زنداں کی فصیل
رات کی قید سے آزاد ہوئی

ناچ اے نہرِ سویز! جھوم اے وادیٔ نیل!
اب تری سمت کوئی ہاتھ نہیں اٹھے گا
تیری عزت تری غیرت کی بقا کی خاطر
کون ہے اب جو ترے ساتھ نہیں اٹھے گا[17]

برصغیر ہندوستان کی شاعری یورپی نوآبادکاروں کی چیرہ دستیوں،لوٹ مار کی کہانیوں اور مقامی باشندوں کی ذہنی وجسمانی تشدد کی روح فرسا داستانوں سے بھری پڑی ہے۔یورپی نوآبادکار ہندوستان کو سونے کی چڑیا کہتے تھے۔یہی وجہ ہے ہندوستان کو اپنی نوآبادی بنانے کے لیے یہ ایک دوسرے کا خون بہانے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔انگریزوں نے ہندوستان سے سب سے پہلے پرتگالیوں اور بعدازاں فرانسیسیوں کو بھی نکال باہر کیا تاکہ ہدوستان کی دولت پر تنِ تنہا ہاتھ صاف کر سکے۔اِس صورتِ حال میں فرانس کی نظر براعظم افریقہ پر پڑی۔الجزائر بھی افریقی ممالک میں سے ایک مسلمان ملک ہے جسے فرانس نے اپنی نوآبادی بنایا اور یہاں طرح طرح کے مظالم ڈھائے۔ظہور نظر نے اپنی نظم ''چڑھتا سورج'' جو یوم الجزائر کے موقع پر لکھی گئی، میں الجزیائر کے لوگوں کی مزاحمتی جدوجہد کو ان الفاظ میں سراہا ہے:

میں دیکھتا ہوں ــــــــــ، کہ جیسے اُس پار ــــــ،
خوں اُگلتی شفق کے اس پار ــــــ، الجزائر کی سرزمیں ہے
قدم قدم پر جہاں لکھی ہیں
ہزارہا الجزائری حریت پسندوں نے اپنے خوں سے
امٹ شجاعت کی داستانیں
قدم قدم پر جہاں لٹا ہے گلال آزادیٔ وطن کا
قدم قدم پر جہاں بہے ہیں لہو کے دریا
قدم قدم پر جہاں مزین ہیں قتل گاہیں
قدم قدم پر جہاں مہذب فرانس تہذیب کے لہو میں نہا رہا ہے
وہی مہذب فرانس جس نے ــــــ
کبھی حسین و جمیل پیرس کی شاہراہوں میں جنگِ جمہوریت لڑی تھی
وہی مہذب فرانس جس نے ــــــ،
بساطِ عالم پہ کی تھی قائم
عوام کی اولیں حکومت
وہی مہذب فرانس جس کو ہے آج بھی ناز والٹیئر پر
وہی مہذب فرانس جس کی رگوں میں روسو کا خوں رواں ہے
ــــــــــ عجیب منظر، عجب سماں ہے

یورپی نوآبادکار خواہ وہ ایشیا میں ہوں یا افریقہ میں، اُنھوں نے خود کو مہذب قرار دیتے ہوئے یہاں پس ماندہ عوام کو مہذب بنانے کا نعرہ لگایا تھا

ظہور نظر اگر ایک طرف وہ معاشرے کے ظلم اور استحصال کے خلاف آواز بلند کر رہا ہے تو دوسری طرف اس کا جمالیاتی ذوق، اسے شعری حسن کو قربان کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور وہ مزاحمت کو اپنی شاعری میں ایسے گچ کر کے پیش کر رہا ہے کہ ہم اس کی شاعری کو اردو ادب کی نمایاں ترین مزاحمتی شاعری کے ساتھ رکھ کر دیکھ سکتے ہیں۔

احمد ندیم قاسمی ظہور نظر کی شاعری کے اسی پہلو کو اجاگر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''ظہور نظر کی شاعری اس ترقی پسندی کی بلیغ مثال ہے جس میں شاعر محض نظریہ بیان نہیں کرتا بلکہ جو کچھ کہتا ہے، انتہائی فنکاری سے کہتا ہے اور اس جگر کاوی سے کہتا ہے جو شعر کو ہمیشہ زندہ رہنے والا فن پارہ بنا دیتی ہے۔ ان نام نہاد ترقی پسندوں سے اس کے فن کو دور کا تعلق نہیں جو چند نعرے، چند انقلابی چٹکلے، چند فقرے بازی کی نوعیت کے اشعار گھڑ لیتے ہیں اور انھیں مشاعروں اور مجموعوں میں یوں تن کر پڑھتے ہیں جیسے شاعری کا حرفِ آخر ارشاد فرما رہے ہوں۔[18] ''

ظہور نظر، ایک سچے ترقی پسند شاعر کی طرح یہ یقین رکھتے تھے کہ شاعر کا کام زمانے سے کٹ کر، کسی الگ تھلگ جزیرے میں بیٹھ کر محبوب کے حسن و جمال کے قصے لکھنا نہیں ہے۔ ادیب یا شاعر انسانی اقدار سے ماورا نہیں ہو سکتا۔ ادب میں نقطۂ نظر کی اہمیت کا انکار اور شعر و ادب کو انسانی مسائل سے یکسر لا تعلق قرار نہیں دیا جا سکتا۔ فیض احمد فیض اپنے مضمون ''شاعری کی قدریں'' میں لکھتے ہیں:

> '' حسن کی تخلیق صرف جمالیاتی فعل نہیں، افادی فعل بھی ہے۔ ہر وہ چیز جس سے ہماری زندگی میں حسن یا لطافت یا رنگینی پیدا ہو، جس کا حسن ہماری انسانیت میں اضافہ کرے، جس سے تزکیہء نفس ہو، جو ہماری روح کو مترنم کرے، جس کی لو سے ہمارے دماغ کو روشنی اور جِلا حاصل ہو، صرف حسین ہی نہیں، مفید بھی ہے۔ اس لیے جملہ غنائیہ ادب ہمارے لیے قابلِ قدر ہے۔''

اور جیسا کہ پریم چند نے پہلی ترقی پسند کانفرنس میں اپنے خطبہ صدارت کے آخر میں کہا تھا:

> ''ہماری کسوٹی پر وہ ادب کھرا اترے گا جس میں تفکر ہو، آزادی کا جذبہ ہو، حسن کا جوہر ہو، تعمیر کی روح ہو، زندگی کی حقیقتوں کی روشنی ہو؛ جو ہم میں حرکت، ہنگامہ اور بے چینی پیدا کرے؛ سلائے نہیں، کیوں کہ اب اور سونا موت کی علامت ہو گی۔''

پریم چند اور فیض کا یہ تصورِ ادب ہمیں ظہور نظر کی شاعری میں جھلکتا نظر آتا ہے۔ ظہور نظر، شاعری کے افادی پہلو کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، اپنی شاعری سے جگانے کا کام لیتے ہیں، سلانے کا نہیں؛ وہ اپنی شاعری میں معاشرتی مسائل، سماجی عدم مساوات، مقتدر طبقوں کی طرف سے مظلوم طبقوں کے استحصال، غربت، افلاس، بھوک، جنگ، آمریت، ناانصافی کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں۔ نوشی گیلانی لکھتی ہیں:

> "ظہور نظر ایسے حالات میں زندگی بسر کر رہا تھا جب چاروں طرف سے اس کے فکری نظام کو کئی طرح کے جبر و تشدد کا سامنا تھا مگر ظہور نظر بلا کا بہادر شاعر تھا۔ اُس نے اِس جبر میں بھی اپنے اظہار کے لیے پوری معنویت سے پُر ایک نئی دنیا دریافت کی اور ایک بالکل نئے تجربے اور حوصلے سے اپنے احساسات کی دنیا ہموار کی اور اُس پر اپنے عشق و جمال کے پھول بوٹے بنائے اور اس طرح ظہور نظر پُر امید ذہنی کیفیت میں رہا اور کہیں سستی جذباتیت اور یاسیت کا شکار نہیں ہوا۔"

معاشی استحصال، غربت، افلاس کے حوالے سے مقتدر، جاگیر دار، سرمایہ دار طبقہ کے ظلم و جبر کے خلاف "مجھے اس رہگزر پہ چلنا ہے" ظہور نظر کی ایک خوب صورت مزاحمتی نظم ہے جس میں وہ اپنے فن کی سفر کی منزل متعین کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں ایسا مسافر ہوں جس کی منزل جد و جہد اور پیکار و کش مکش ہے، جو امام حسین، سقراط اور شکاگو کے مزدوروں کا پیرو کار ہے، روس، چین، چیکوسلواکیہ، ویت نام اور فلسطین کے مجاہدوں کا راستا جس نے چُن لیا ہے؛ وہ اپنی ناطاقتی باوجود ظلم کے مقابل کھڑا رہنے کا عزم کیے ہوئے ہے۔

ظلم ہو، جبر ہو، بے داد ہو، لکھنا ہو گا

لکھنا تو ہے مری افتاد، سو لکھنا ہو گا[19]

ظہور نظر ان شاعروں میں سے نہیں تھے جو خلا میں شاعری کرتے ہیں، جو اپنے ماحول سے کٹ کر شاعری تخلیق کرتے ہیں۔ وہ اپنے دور کے جملہ سیاسی، سماجی، معاشی مسائل کا شعور رکھتے ہیں؛ مقامی و عالمی تناظر پر ان کی پوری نظر ہے؛ مظلوموں کی آہوں، ستم رسیدوں کے تن من پر لگے زخموں کا انھیں پورا احساس ہے۔ وہ معاشرے کی ظالم قوتوں سے سمجھوتے کرنے کے لیے قطعاً راضی نہیں؛ ان کی شاعری درسِ حریّت بھی ہے، درسِ بغاوت بھی۔ وہ نہ زنداں کی سلاخوں سے خائف ہیں نہ دار کا ڈر ان کے عزم کو متزلزل کر سکتا ہے:

ہونٹ تک سی دیے تھے پھر بھی نظر
ظلم کی داستاں سنا کے رہے
جس کے لکھنے پہ مرے ہاتھ کٹے، ہونٹ سلے
میں وہی گیت سرِ دار بھی گانا چاہوں

ڈاکٹر طاہر تونسوی، ظہور نظر کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”فیض اور ندیم کے بعد ظہور نظر ایک ایسا شاعر ہے جس نے بڑی ثابت قدمی سے ترقی پسند تحریک کے ارفع تر مقاصد کی اپنے تخلیقی اظہار کے حوالے سے پاس داری کی ہے۔ اس نے وقت اور بدلتے ہوئے سیاسی حالات سے سمجھوتا بازی کے رجحانات کو اپنے آپ سے دور رکھا۔ یوں میری نزدیک یہ ثابت قدمی نظریے سے وفاداری اور فن سے کومٹ منٹ کی عمدہ مثال ہے۔[20]“

ظہور نظر آمریت کے خلاف ایک توانا آواز تھے خواہ یہ آمریت مقامی ہو یا بین الاقوامی۔ حکم رانوں کے جبر، غریب عوام کے استحصال، سیاسی و سماجی ناانصافیوں پر وہ خاموش کیسے رہ سکتے تھے؟ ان کی شاعری میں جابجا ہمیں مقتدر طبقات کے خلاف بغاوت نظر آتی ہے۔ محتسب سے جواب دہی، شہریارِ شہر کی نظروں میں نظریں ڈال کر سوال کرنے کی جرات، جو کسی بھی مزاحمتی شاعری کا جزوِ لاینفک ہے، ظہور نظر کی شاعری میں وہ ہمیں بہت خوب صورت انداز میں نظر آتا ہے:

شہریارِ خود سر سے یہ سوال تو پوچھو
ایک دن اگر اُس کو سرپھروں نے آ گھیرا
لے گئی آ کر سرِ مقتل نظر کو سرکشی
بات اہلِ مصلحت کی اُس کا سر سمجھا نہ دل
مرثیہ حسن و صداقت کی شہادت کا نظر
محتسب کتنا بھی ناراض ہو، لکھنا ہو گا
امید اب نہیں صبحوں کی واگزاری کی
کہ منصفوں نے بھی راتوں کی پاسداری کی
یہ کیا ستم ہے کہ ہم پہ لگتی ہے، جب بھی لگتی ہے کوئی تہمت
کبھی تو اے شہر، کوئی الزام شہریاروں کے سر بھی جائے
صدا لگانے میں عذر کوئی نہیں مجھے منصفوں کے در پر
مگر کوئی راہ، کوئی رستا، کوئی گلی اُن کے گھر بھی جائے!

ظہور نظر صرف مقامی ظلم و جبر کے خلاف ہی مزاحمت کی بات نہیں کرتا بل کہ عالمی تناظر میں بھی وہ مظلوم قوموں کے حقوق کے لیے بھی آواز بلند کرتے ہیں۔ ظہور نظر ایک حق پرست شاعر جو مظلوموں کی مزاحمتی آواز کو اپنی شاعری سے مضبوط کرتا نظر آتا ہے۔ سقراط کی جہل کے خلاف مزاحمت ہو یا مسافرانِ کربلا کی باطل قوتوں کے خلاف؛ شکاگو کے محنت کشوں کی سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف جدوجہد ہو یا فلسطینیوں کی صیہونی طاقتوں کے خلاف مزاحمت؛ کشمیر کی ہندوراج کے خلاف جنگِ حریت ہو یا

افریقیوں کے فرانسیسی نوآبادکاروں کے خلاف جدوجہدِ آزادی؛ وہ اِن سب کے حامی، ہمدرد اور وکیل ہیں۔ یہیں تک بس نہیں بل کہ وہ ویت نام ہو یا چیکو سلوا کیہ یا دنیا کے کسی بھی خطے کے مظلوموں کی جدوجہد حق وانصاف، وہ ان سب کے ہم نوا اور دم ساز ہیں۔ ''مجھے اس رہگزر پہ چلنا ہے'' میں وہ دنیا بھر میں حریّت کی آواز بلند کرنے والوں کا راستا اپنانے کا عزم کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں:

یہ رہگزر، جس پہ کربلا کے مسافروں کے نقوشِ پا ہیں
یہ رہگزر، جس پہ بیٹھ کے زہر کا پیالہ لبوں سے سقراط نے لگایا
یہ رہگزر، جس پہ اپنے خوں میں رنگی قمیضیں لیے
شکاگو کے سیلِ محنت کشاں نے منوائیں اپنی مانگیں
اور اُن کی وہ خوں سے تر قمیضیں
ہیں آج کے سارے جہاں کے محنت کشوں کا پرچم
یہ رہگزر، جس سے روس کی سرخ فوج گزری
یہ رہگزر، جس پہ چین کے لانگ مارچ کی داستاں رقم ہے
یہ رہگزر، جس پہ چیکو سلوا کیہ کے فیوچک، شہید فیوچک نے جان دی
اور قید کے روز و شب پہ ایسی عظیم وارفع کتاب لکھی جو
آج سارے جہاں کے زندانیوں کی ہمت بڑھا رہی ہے
یہ رہگزر، جس پہ ساری دنیا کے حریت کیش چل کے پہنچے تھے اہلِ سپین کی مدد کو
جنھیں فرانکو کی فوج قیدی بنا رہی تھی، جلا رہی تھی
یہ رہگزر، جس پہ چل کے ہم نے لہو کی۔۔۔ خندق عبور کی اور صلے میں یہ ارضِ پاک پائی
یہ رہگزر، جس پہ اس صدی کی مہیب اور مال دار طاقت نے مٹھی بھر ویت نامیوں سے شکست کھائی
یہ رہگزر، جس پہ ان مہاجر، غریب، بے شہر و بے مکاں، شیر دل فلسطینیوں کے خیمے لگے ہوئے ہیں
جو امن کی جنگ لڑ رہے ہیں۔۔۔ جو سر ہتھیلی پہ لے کے دنیا میں گھومتے ہیں
اور ان سے خائف ہیں ساری دنیا کے امن دشمن۔۔۔ مجھے اسی رہگزر پہ چلنا ہے زندگی بھر
یہ زندگی چار دن ہو تو بھی۔۔۔ یہ زندگی سو برس ہو تو بھی [21]

نوشی گیلانی لکھتی ہیں:

"ظہور نظر نے انسانی مسائل کو مقامیت کی سطح پر آکر نہیں دیکھا بل کہ عالمی انسانی برادری کے ایک فعّال اور باشعور رکن کی حیثیت سے محسوس کیا اور پھر اس پورے دکھ کو سچائی کے ساتھ نظم کیا۔[22]"

شاخوں پہ کوئی گل ہے سلامت نہ کلی ہے
گلشن میں صبا صورتِ شمشیر چلی ہے
اے محتسبِ شہر! ہمیں گھور کے مت دیکھ
اپنا بھی وہیں گھر ہے جہاں تیری گلی ہے [23]

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

ظہور نظر نے اپنی شاعری میں حبس زدہ ماحول میں اہلِ سطوت وجاہ کو چیلنج کرتے ہوئے مستضعفین اور مردود طبقے کی حمایت میں آواز بلند کی ہے۔ تمام تر پابندیوں، قدغنوں اور مظالم کے باوجود ظہور نظر ناانصافی، معاشی ناہمواری اور طبقاتی تقسیم پر یقین رکھنے والے طاقت کے مراکز کو للکارنے میں کامیاب ہوا ہے۔ نوشی گیلانی کے ظہور نظر کے مزاحمتی رویے کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

> "(ظہور نظر) مجھے لگتا ہے جیسے ہم کسی ایسے نظام میں زندہ رہنے کی کوشش کر رہے ہیں جہاں پوری طرح سے سانس لینے کی ضرورت کو کسی طرح بھی اچھا نہیں سمجھا جا رہا ہے۔ ایک عام رویے سے ہٹ کر اگر شاعر یہ گھٹن اور دل میں اترتی ہوئی اِس کی چبھن محسوس کرے تو پھر اس پر تو یہ جبر اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ یعنی وہ ذرا سا اظہار کے گناہ کا سزاوار بھی تو ٹھہرتا ہے۔ یہ ایک زنجیر ہے جو سلسلہ در سلسلہ چلی آرہی ہے، بڑھتی چلی جا رہی ہے۔۔
> "ظہور نظر سوچوں کا بارِ گراں اٹھائے۔ نظریے کا عصا تھامے، حیرانی و تنہائی کا خرقہ پہنے، خوف کی چادر اوڑھے اور آبنائے درد سے گزرنے کے باوجود زندگی کی مختلف سطحوں کو منکشف کر کے ایک ایسی دستاویز مرتب کرنے میں کامیاب ہوا ہے جو ماضی، حال اور مستقبل کی تمام تر صورتِ حال کو واضح کرتی ہے۔"[24]

ظہور نظر کی شاعری میں رجائیت بھی نمایاں ہیں۔ ظلم و جبر کی گھٹاٹوپ سیاہ رات کے باوجود، طاقت ور طبقات کے استبداد کے باوجود، وہ ناامید نہیں ہیں۔ انھیں یقین ہے کہ ظلم کی اس سیاہ رات کا ایک دن سویرا ہوگا؛ وہ یقینِ کامل رکھتے ہے کہ سلطانیِ جمہور کا دور دُور نہیں ہے؛ وہ آمریت کے خاتمے کا نہ صرف خواب دیکھتے ہیں بلکہ اس کی خواب کی تعبیر بھی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں:

دیکھیں کب آغازِ سحر ہو، دیکھیں کب سورج نکلے
کہتے ہیں آثار فلک، کچھ رات ڈھلی تو ہے یارو

ظہور نظر کی ایک نظم "جاگتے جزیرے" کے نام سے ہے جو جنگ کے بعد جاپان کی ملک گیر ہڑتال پر لکھی گئی۔ یہ ہڑتال جاپان کے شہنشاہی نظریے کے خلاف پہلی ملک گیر آواز تھی۔ ظہور نظر بہت پر امید ہیں کہ اب شخصی بادشاہت ختم ہونے کو ہے۔ غلامی کی زنجیریں پگھلنے کے قریب ہیں۔ آزادی کا سورج بس اب طلوع ہونے ہی والا ہے۔ اب مخلوق شاہ کو رب نہیں کہے گی:

اک شگاف اور پڑا۔۔۔ایک زمیں اور ہلی
ایک زخم اور بھرا۔۔۔ایک کلی اور کھلی
ایک زنجیر کے کٹنے کی صدا اور آئی
ایک طوفاں کے بپھرنے کی خبر اور ملی

اجنبی حلقۂ زنجیر پگھلنے ہی کو ہے
رات اب ختم ہے، خورشید نکلنے ہی کو ہے[25]

ظہور نظر کی ایک اور نظم "بھاگ اِن بردہ فروشوں سے" کے عنوان سے ہے۔ اِس نظم میں بھی ظہور نظر مصر کے قدیم شہنشاہی نظام کو چیلنج کرتے ہوئے یوسفِ جمہور کی حکمرانی کی امید دلاتے نظر آتے ہیں۔ اِس نظم میں بہت موثر انداز سے عام آدمی کی بے بسی اور بے کسی کو بیان کیا گیا ہے۔ مصر میں جمال عبدالناصر جیسے آمر کی حکومت ہے جو خود استعماری طاقتوں کے ہر حکم بجالانے کو تیار رہتا ہے۔ خاص طور پر نظم کا یہ حصہ بہت معنی خیز ہے:

ساحلِ نیل سے مغرب کی زلیخاؤں کی آمد کا پیام آتا ہے
بیچنے کے لیے خود مصر کا شاہ
دشت میں یوسفِ جمہور کا سر لاتا ہے
دور تک نیل کے پانی میں شہیدوں کا لہو

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

اک شفق رنگ کرن چھوڑ کے بہہ جاتا ہے۔

کہ شہیدوں کے لہو سے جو شفق رنگ کرن پھوٹی ہے
پھیل کر صبحِ درخشاں نہ بنے[26]

مصر کی سرزمین سے ظہور نظر کو خاص انس ہے۔ وہ مصر کے 1952ء کے آزاد افسران کے انقلاب سے بہت سی توقعات رکھتے تھے۔ شاہ فاروق اول کے خلاف محمد نجیب اور جمال عبدالناصر نے کامیاب بغاوت کی۔ شہنشاہیت کا خاتمہ کیا۔ نو آبادکاری کے بڑھاوے کو روکا اور تیسری دنیا کی یک جہتی میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ اِس انقلابی تحریک کے مقاصد بہت وسیع ہو گئے تھے۔ مثلاً مصر اور سوڈان کی آئینی بادشاہت اور اشرافیہ کو ختم کرنا، ایک جمہوریہ کا قیام عمل میں لانا اور برطانوی تسلط کا خاتمہ کرتے ہوئے سوڈان کی آزادی کو محفوظ بنانا تھا۔ ظہور نظر کو ان انقلابی افسران کا منشور بہت اچھا لگا اِسی لیے وہ اکثر مصری حکومت کے حق میں لکھتے رہتے تھے۔ مثلاً یہ نظم:

اے مصر! اے لہو میں نہائی ہوئی زمیں
روشن ہوا ہے تیری شجاعت کے نور سے
ہر خطۂ جہاں کہ جہاں روشنی نہیں

کوئی بھی ہے کہیں پہ بھی ہے، جو بھی ہے غلام
سب کے لیے لہو میں نہائے ترے عوام
ہر قلبِ غمزدہ کو ملا تجھ سے حوصلہ
ہر عزمِ تابناک کو تونے دیا دوام
ہر رہ ترے نقوشِ قدم سے ہوئی ہے پُر
ہر کاروانِ جہد نے مانا تجھے امام
ہر بزم و انجمن پہ تری ضَور ہوئی محیط
ہر حریت پسند کے لب پر ہے تیرا نام
لرزا ہے سن کے تیری شعاعِ جنوں کا ذکر
پھیلا ہوا جہاں پہ جو ہے تیرگی کا دام
رخشندہ باد جذبہ و جوش و جنوں کی صبح
پائندہ باد نور کے طوفانِ تیز گام

اے مصر! اے لہو میں نہائی ہوئی زمیں
روشن ہوا ہے تیری شجاعت کے نور سے
ہر خطۂ جہاں کہ جہاں روشنی نہیں[27]

الجزائر ایک لمبے عرصے تک فرانس کی نو آبادی بنا رہا۔ دنیا میں کہیں جبر و استحصال ہو، شاعر کا حساس دل اُس ناانصافی پر کڑھتا رہتا ہے۔ ظہور نظر کا دل بھی الجزائر کی فرانسیسی غلامی پر نوحہ کناں رہا۔ وہ الجیریا جو 1848ء میں فرانس کا اٹوٹ انگ اور کالونی قرار پایا تھا جنگ آزادی کے بعد 1962ء میں آزاد ہو گیا۔ الجیریا کی فتح کے موقع پر ظہور نظر نے اُن کی حریتِ فکر اور قربانیوں کو اپنی نظم ''چڑھتا سورج'' میں خراجِ تحسین پیش کیا:

عوام کی اولیں حکومت
وہی مہذب فرانس جس کو ہے آج بھی ناز والٹیئر پر
وہی مہذب فرانس جس کی رگوں میں روسو کا خوں رواں ہے
——— عجیب منظر، عجب سماں ہے

چڑھتے سورج پہ کون پھیلا سکا ہے تاریکیوں کی چادر

میں دیکھتا ہوں——————

کہ الجزائر پہ چھانے والی فرانس کی رات ڈھل رہی ہے

میں دیکھتا ہوں———،

کہ ساری دنیا کے امن خواہوں کی فوج پیرس کی شاہراہوں پہ چل رہی ہے

جدھر بھی اٹھتی ہے نگہِ ظالم اُدھر ہی مظلوم حکمراں ہے

———عجیب منظر، عجب سماں ہے[28]

سرد جنگ کے دوران سوویت یونین کے زیرِ انتظام مشرقی برلن کو مغربی برلن سے جدا کرنے کے لیے دیوارِ برلن بنائی گئی تھی۔ یہ دیوار مشرقی اور مغربی جرمنی کی تقسیم کی علامت تھی۔اِس دیوار کی تعمیر 1961ء میں شروع ہوئی تھی۔ ظہور نظر انسانوں کی تقسیم کے خلاف ہیں۔اُن کی آزادیوں کے سلب کرنے اور اظہارِ خیال پر قدغنوں کے خلاف ہیں۔اِس دیوار کا انہدام 1989ء میں عمل میں آیا جسے پوری دنیا میں لبرل جمہوریت کی فتح کے پر دیکھا گیا۔اِس دیوار کے انہدام کے ایک سال بعد مغربی اور مشرقی جرمنی کا اتحاد پھر سے بحال ہوا۔ ظہور نظر کے نزدیک یہ دیوار انسانوں کی تقسیم کی مترادف تھی۔اِس لیے وہ اِس کے انہدام کو جمہور کی بڑی فتح کے طور پر لیتے ہیں۔ ظہور نظر دیورِ برلن کو منحوس دیوار سے تعبیر کرتے ہیں۔ نظم میں یہ حیرت زا تاثر ابھرتا ہے کہ جو آج کا ظالم ہے وہ کل کا مظلوم بھی ہو سکتا ہے اور جو آج کا مظلوم ہے، موقع ملنے پر کتنا بڑا ظالم ثابت ہو سکتا ہے۔اِس لیے بے بسی یا اختیار دونوں حالتوں میں انسان کو اعتدال میں رہنا چاہیے۔وہ جرمن قوم جو خود کو زمانے بھر سے برتر قوم سمجھتی تھی؛ جس نے زمانے کو دوسری عالمی جنگ کے جہنم میں دھکیلا تھا، جس نے یہودیوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے تھے وہ آج اتنے بے بس ہیں کہ دیوارِ برلن کے دونوں جانب ایک دوسرے کی دید کی حسرت میں تڑپ تڑپ کر رو رہے ہیں۔وہی یہودی جو غریب الدیار ہو کر جرمنی سے نکلے تھے، فلسطین میں آباد ہوتے ہیں، فلسطین کے نوّے فیصدی حصے پر قبضہ کر کے فلسطینی عربوں پر ظلم کی پہاڑ توڑیں گے۔یہودیوں کو وقت کا پلٹنا یاد رکھنا چاہیے؛ وہ جس طرح آج فلسطینیوں کی نسل کشی کر رہا ہے؛ ہو سکتا ہے کل اُس پر بھی ایک مرتبہ پھر وہی وقت آ پڑے جس کا تجربہ انھیں نازی جرمنی میں ایک مرتبہ ہو چکا ہے۔ ظہور نظر کی نظم ''منحوس دیوار کا سایہ'' کے چند اشعار مزاحمت کی شاندار علامت کہے جا سکتے ہیں:

وہ جرمن۔۔۔وہ نازی

وہ برتر وہ خود سر۔۔وہ جیالے وہ غازی

بڑے زعم سے دوسری عالمی جنگ چھیڑی جنھوں نے

۔۔۔بڑے فخر سے ساری انسانیت کو جنھوں نے جہنم کی بھٹی میں جھونکا

وہی آج دیوارِ برلن کے اُس پار یوں منہ اٹھائے ہوئے رو رہے ہیں

کہ جیسے زمانے میں اُن سے بڑا کوئی مظلوم پیدا ہوا ہے نہ ہوگا

یہ تقسیم تو اک نہ اک دن مٹے گی

یہ دیوار تو اک نہ اک دن گرے گی

ملیں گے بہر حال ایک دوسرے سے

یہ روتے ہوئے سینہ چاکانِ برلن

مگر میرے پیارے عزیز وا قارب
کہ جو جرمنوں کی بنائی ہوئی حبس گاہوں میں مدت ہوئی سڑ چکے ہیں۔۔۔مجھے کب ملیں گے
یہ دیوارِ نفرت۔۔۔جو برلن سے لے کر فلسطین تک خود بخود اٹھ گئی ہے۔۔۔یہ کیسے گرے گی
۔۔۔
گرے گی اگر اب تو مجھ پہ گرے گی۔۔۔کہ میں سہارا مہاجر عرب ہوں
کوئی ہے جو نفرت کی اِس اونچی دیوار سے اہلیانِ عرب کو بچالے
کوئی ہے جو منحوس دیوارِ برلن کے محفوظ سائے میں مجھ کو چھپالے[29]

انجلا مورکل نے دیوارِ برلن کے انہدام کے تیس برس مکمل ہونے پر ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہر وہ دیوار جو لوگوں کو تقسیم کرے اور اُن کی آزادیوں پر پابندیاں لگائے وہ اتنی بلند نہیں ہو سکتی کہ اُسے توڑا نہ جاسکے۔آج دیوارِ برلن ٹوٹ چکی ہے لیکن زمانے کو انتظار ہے اس وقت کا جب یہودی مکافاتِ عمل کا شکار ہونگے؛جب سپر طاقتیں یہود کی سرپرستی ختم کریں گی اور مظلوم فلسطینی آزاد فضاؤں میں سکھ کا سانس لے سکیں گے۔
ظہور نظر ایک سچا ترقی پسند اور سماجی،سیاسی اور معاشی ناہمواریوں کے خلاف بہادری سے آواز بلند کرنے والا مزاحمتی شاعر ہے۔انھوں نے مقامی طاقت کے مراکز اور اشرافیہ کو ہدفِ تنقید بنایا ہے جنھوں نے ملک کے وسائل پر قبضہ کر کے جمہور کو قوت لایموت کے دائرے ہی میں محصور کر دیا ہے۔وہ اپنی نظموں میں مارشل لاء کی جبریت،سیاست دانوں اور سرمایہ داروں کے ظالمانہ اقدامات اور ان طاقتوں کے ہاتھوں عام آدمی کے قدم قدم پر جاری استحصال کو اپنی نظموں کا موضوع بنایا ہے۔ظہور نظر ملکی سیاست،حالاتِ حاضرہ کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی منظر نامہ سے غافل نہیں ہیں۔دنیا میں کہیں بھی استحصالی قوتیں عوام کے حقوق پر ڈاکہ ڈالتی ہیں،سپر طاقتیں جب تیسری دنیا کے ممالک کو کونے میں دھکیل کر اپنی مرضی کے فیصلے کرواتی ہیں،خواہ وہ فلسطین ہو،مصر ہو،لبنان،ویتنام،اردن ہو،الجزائر ہو یا پھر افغانستان ہو،ظہور نظر نے کھل کر لکھا ہے اور ہمیشہ مظلوموں کے حق میں آواز بلند کی ہے۔سورہ شعراء میں ایسے شعرا کو مبالغہ آمیزی کرنے والے،قول وفعل میں تضاد رکھنے والے اور وادیوں میں سرگرداں شعرا کے زمرے سے نکال دیا گیا ہے جو اپنے قلم کو مظلوموں کی نصرت اور اخلاقی حمایت میں استعمال کرتے ہیں۔مزاحمتی شعرا کا تعلق بھی شعرا کے ایسے ہی طبقے سے ہے جو معاشرے میں عدل وانصاف کی بحالی اور مظلوموں کی نصرت کے لیے اپنا خونِ جگر استعمال میں لاتے ہیں۔ظہور نظر کی شعری کائنات کے مطالعے سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے وہ مظلوموں کے ہمدرد،عدل وانصاف کی بحالی کے علمدار،طاقت کے مراکز خواہ وہ سیاسی ہوں،اشرافیہ کی صورت میں ہوں،افسر شاہی ہو یا آمریت کے ہوں؛کو چیلنج کرتے نظر آتے ہیں۔ایسے شعرا کا وجود معاشرے کی متوازن تعمیر وترقی کے لیے از حد ضروری ہے۔

حوالہ وحواشی

---

1 ۔رشید امجد،ڈاکٹر،مزاحمتی ادب(1919-2007ء)،اسلام آباد،اکادمی ادبیات،پاکستان ص17
2 ۔رشید امجد،ڈاکٹر،مزاحمتی ادب(1919-2007ء)،اسلام آباد،اکادمی ادبیات،پاکستان ص19
3 ۔ ڈاکٹر سبینہ اویس اعوان،مضمون:پاکستانی اردو نظم میں مزاحمتی عناصر،مشمولہ الماس،تحقیقی جنرل 23،ص184
4 ۔ظہور نظر،کلیاتِ ظہور نظر،ریزہ ریزہ،مرتبہ نوشی گیلانی،ص47
5 ۔ظہور نظر،کلیات ظہور نظر،مرتبہ نوشی گیلانی ریزہ ریزہ،ص395
6 ۔عبدالخالق تنویر،ڈاکٹر،ظہور نظر شخصیت اور فن،ملتان،بیکن بکس،2015ء ص26
7 ۔ظہور نظر،کلیاتِ ظہور نظر،مرتبہ نوشی گیلانی،ملتانی،روحانی آرٹ پریس،1988ء ص179
8 ۔ایضاً ص181
9 ۔ایضاً ص183

10 ۔ایضاً ص266
11 ۔ ظہور نظر، کلیاتِ ظہور نظر، مرتبہ نوشی گیلانی، ملتانی، روحانی آرٹ پریس، 1988ء ص468
12 ۔ ظہور نظر، وفا کا سفر "مطبوعات، لاہور، ۱۹۸۶ء ص ۱۵۵
13 ۔ ظہور نظر، کلیاتِ ظہور نظر، مرتبہ نوشی گیلانی، ملتانی، روحانی آرٹ پریس، 1988ء ص392
14 ۔ ثوبیہ نسیم، ڈاکٹر، "تدوینِ کلامِ ظہور نظر"، مقالہ برائے پی۔ایچ ڈی، مملوکہ سر صادق لائبریری، دی اسلامیہ یونی ورسٹی بہاولپور، 2019ء ص42-43
15 ۔ ثوبیہ نسیم، ڈاکٹر، "تدوینِ کلامِ ظہور نظر"، مقالہ برائے پی۔ایچ ڈی، مملوکہ سر صادق لائبریری، دی اسلامیہ یونی ورسٹی بہاولپور، 2019ء ص53-54
16 ۔روزنامہ امروز، 25نومبر 1956ء
17 ۔روزنامہ امروز۔۔۔4 ستمبر 1995ء
18 ۔ ظہور نظر، کلیاتِ ظہور نظر، مرتبہ نوشی گیلانی، ملتانی، روحانی آرٹ پریس، 1988ء، (اندرونی فلیپ)
19 ۔ایضاً ص191
20 ۔ ظہور نظر، "کلیاتِ ظہور نظر" مرتبہ نوشی گیلانی، ملتان، مطبع روحانی آرٹ پریس، جولائی 1987ء
21 ۔ایضاً ص 67
22 ۔ایضاً ص18
23 ۔ایضاً ص123
24 ۔ایضاً ص19
25 ۔ثوبیہ نسیم، ڈاکٹر، "تدوینِ کلامِ ظہور نظر"، مقالہ برائے پی۔ایچ ڈی، مملوکہ سر صادق لائبریری، دی اسلامیہ یونی ورسٹی بہاولپور، 2019ء، ص71
26 ۔ایضاً ص77
27 ۔امروز 25نومبر 1956ء
28 ۔لیل ونہار۔2جولائی 1958ء
29 ۔افکار، کراچی۔۔۔نومبر 1963ء